ہم میں سے نہیں اور جس کی موت عصبیت پر واقع ہوئی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مشکوۃ باب الجنائز)

بہر حال جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں وہ وحدت انسانیت کے ثبوت کے لیے کافی ہیں۔ ان تمام احادیث و آیات میں خطاب عام ہے جو جملہ نوع انسانیت کو شامل ہے اس میں بلا تفریق تمام قومیں آجاتی ہیں اور یہی اسلامی نظام خلافت کا منشاء ہے کہ تمام انسان مل جل کر محبت بھری زندگی گذاریں، اپنے اپنے مذہب و عقیدے پر قائم رہتے ہوئے صلہ رحمی کو قائم رکھیں۔ عداوت، نفرت اور بغض وحسد کو اپنے دلوں میں جگہ نہ دیں۔

غرض کہ اسلامی نظام خلافت علی منہاج النبوۃ کا امتیاز یہ ہے کہ اس میں جغرافیائی بنیاد پر رنگ، نسل، خاندان اور مذہب وفرقہ کی بنیاد پر نوع انسانیت میں تفریق کی گنجائش نہیں ہے۔ جب سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں تو پھر کسی کو کب زیب دیتا ہے کہ وہ رنگ ونسل یا ملک وملت پر فخر کرے البتہ ذاتی اوصاف وکمالات اس لائق ہیں کہ وہ باعث شرف وامتیاز بن سکتے ہیں۔

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں، محو غم دوش رہوں
تھی تو موجود ازل ہی سے تری ذات قدیم
پھول تھا زیب چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم
محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے
تو جو چاہے تو اٹھے سینہ صحرا سے حباب
رہرو دشت ہو سیلی زدۂ موج سراب

نام۔ جاہلی تمدن اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالشہید نعمانی
سابق چیئرمین، شعبہ عربی، جامعہ کراچی

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے جو نظام حیات عطا کیا ہے وہ کسی ایک دائرے تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے۔ سیاست ہو یا معیشت، معاشرت ہو یا عائلی زندگی، کون سا شعبہ ایسا ہے جس میں واضح رہنمائی موجود نہیں۔ احادیث میں کتاب الادب کے تحت مستقل ابواب ہیں جن میں انسانی زندگی کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کے بارے میں تفصیلی ہدایات ملتی ہیں۔

ان ہی جزئیات میں ایک "نام" بھی ہے۔ ہر انسان کی اس دنیا میں آمد کے بعد اس کے تشخص کا پہلا ذریعہ اس کا نام ہے۔ نام سے ہی وہ پہچانا جاتا ہے۔ معاشرے میں تعارف حاصل کرتا ہے اور دیگر بنی نوع انسان کے مقابلے میں ایک امتیاز اور انفرادیت پاتا ہے۔

عربی میں نام کے لیے لفظ "اسم" استعمال ہوتا ہے جس کی جمع "اسماء" آتی ہے۔ "اسم" اور "اسماء" ہمارے یہاں اردو میں بھی اسی معنی میں رائج اور مستعمل ہیں۔ عربی زبان میں اسم کا مفہوم کیا ہے اور وہ کن معنوں میں بولا جاتا ہے اس کے لیے ہمیں لغت سے رجوع کرنا ہوگا۔

امام راغب اصفہانی اسم کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اسم وہ ہے جس سے کسی چیز کی ذات کا تعارف حاصل ہو۔"

علامہ قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں اسم کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی ہے۔

"اسماء اسم کی جمع ہے اور اسم وہ لفظ ہے جس کو عرب ایک مخصوص شے کے لئے بولتے ہیں کہ جب وہ لفظ ادا کیا جائے تو ذہن اس مخصوص شے کی طرف منتقل ہو جائے۔"

ہر قوم کا بچوں کے نام تجویز کرنے میں اپنا ایک خاص ذوق ہوتا ہے جس میں تمدنی، معاشرتی اور دیگر بہت سے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے عربوں کی زندگی پر وہاں کی مخصوص آب وہوا اور موسم کا بہت اثر تھا۔ قریش اور قحطانیوں کو چھوڑ کر بقیہ عرب کے باشندے خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے۔ خیموں میں رہتے اور مویشی پال کر ان کے دودھ اور گوشت سے پیٹ بھرتے اور سبزہ زاروں، بارانی علاقوں، چشموں اور کنوؤں کی تلاش میں مستقل گردش کرتے رہتے۔ اسباب رزق کی کمیابی کی وجہ سے آئے دن قحط سے دوچار ہوتے اور ایسی صورت حال میں ایک دوسرے کا مال واسباب لوٹنے سے بھی گریز نہ کرتے۔ زبان دانی پر وہ فخر کرتے، اولاد نرینہ کو پسند کرتے اور لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے۔ ان کی ساری زندگی مذکورہ صفات کے اردگرد گھومتی تھی۔ ان کے ناموں کی روشنی میں ان کی تمدنی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ اس میں بھی جنگ وجدال، باہمی آویزش اور تفاخر ومباہات کے اثرات بہت نمایاں طور پر موجود ہیں۔ چنانچہ وہ دشمن پر غلبہ، فتح اور نصرت کا شگون حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں فتح ونصرت، غلبہ وانتقام، بیداری، چوکسی اور بہادری کا پہلو نکلتا ہو، جیسے: غالب (غلبہ حاصل کرنے والا)، غلاب، ظالم، عارم (بدخلق، مفسد)، منازل (مد مقابل)، مقاتل (جنگجو)، ثابت (ثابت قدم)، مسہر (بیدار)، مورق (بیدار)، حذر (ہوشیار)، صبیح (صبح آنے والا)، طارق (رات کو آنے والا)، عباس (ترش رو، شیر)، ضرار (ضرر رساں)، حمزة (تیز اور شعلہ بار، شیر)، مصعب (دشوار، سرکش)۔

اسی طرح دشمنوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی اولاد کے نام درندوں اور وحشی جانوروں کے نام پر رکھتے اور یہ توقع کرتے کہ وہ دشمنوں کے بالمقابل وحشی درندے ہی ثابت ہوں گے اور دشمن سے انتقام لینے میں ان صفات کا مظاہرہ کریں گے جو وحشی درندوں کا خاصہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہمیں اس قسم کے نام بکثرت ملتے ہیں: اسد (شیر)، لیث (شیر)، فراس (چیر پھاڑ کرنے والا)، ذئب (بھیڑیا)، ضرغام (شیر)، کلب (کتا)، فہد (تیندوا)۔

اسی جنگجو طبیعت کے زیر اثر وہ بچوں کے نام ایسے درخت اور پودوں کے نام پر بھی رکھتے تھے جو کانٹے دار، کڑوے، کسیلے اور غیر نفع بخش ہوں۔ ان ناموں میں ان کا مقصود اپنی قوت وشوکت کا اظہار کے ساتھ یہ تاثر بھی پیدا کرنا تھا کہ ان کی اولاد پر غلبہ وفتح حاصل کرنا دشمن کے لیے اتنا ہی دشوار ہوگا جس طرح ان درختوں اور پودوں سے نفع حاصل کرنا دشوار ہوتا ہے اور یہ کہ ان کی اولاد ان ضرر رساں پودوں کی طرح دشمن کے لیے سخت خطرے اور نقصان کی باعث ہوگی۔ اس قسم کے ناموں میں درج ذیل نام بہت نمایاں ہیں: عضاہ (کانٹے دار جھاڑی)، قرظ (کیکر سے مشابہ ایک درخت)، طلحہ (کانٹے دار درخت)، سمرة (کانٹے دار جھاڑی یا درخت)، قتادہ (سخت کانٹے والا درخت)، ہراسۃ (کانٹے دار درخت)۔

اسی طرح وہ سختی، درشتی اور انتہائی عزم وہیبت کے اظہار کے لیے اپنی اولاد کے نام زمین کے ایسے قطعات کے نام پر رکھتے تھے جن میں بلندی، سختی اور شوکت وعظمت پائی جاتی ہو اور یہ فرض کرتے کہ ان کی اولاد کو زیر کرنا اسی طرح مشکل ہوگا جس طرح اس قسم کے قطعات ارضی کو سر کرنا مشکل ہوتا ہے۔ جیسے: حجر (پتھر)، حجیر

(چھوٹا پتھر)، صخر (چٹان)، فہر (سخت پتھر)، جندل (بڑی چٹان)، جرول (پتھریلی زمین)، حزن (سخت زمین)، حزم (سخت اور بلند زمین)۔

بچوں کے نام تجویز کرنے میں ایک پہلو جو نمایاں طور پر ہمیں نظر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ عرب لوگ ناموں میں ایسے مفہوم کا اظہار چاہتے تھے جس میں کامیابی، کامرانی، آبادی، فلاح اور حصول مقصد کا شگون نکلتا ہو اور ساتھ ہی اولاد کی حفاظت اور سلامتی کا پہلو بھی نمایاں ہوتا ہو، جیسے: نائل (حاصل کرنے والا)، واصل (پہنچنے والا، نجات پانے والا)، ناجی (نجات حاصل کرنے والا)، مدرک (حاصل کرنے والا)، دراک (پسندیدہ چیز حاصل کرنے والا)، سالم (محفوظ)، سلیم (محفوظ)، مالک (مالک)، عامر (آباد کرنے والا)، سعد (خوش بخت)، سعید (بختاور)، مسعدة (سراپا سعادت)، اسعد (زیادہ بختاور)۔

اس جنگجو طبیعت کا حامل عرب کبھی کبھی انتہائی سادگی کا مظاہرہ بھی کر جاتا اور راہ میں نظر آنے والے جانور حشرات الارض اور پرندوں چرندوں کے نام پر بھی اپنے بچوں کے نام رکھ دیا کرتا۔ ان ناموں سے جہاں ایک طرف دیہاتی زندگی کی عکاسی ہوتی ہے وہاں دوسری طرف ان کی سادگی اور بھولپن کا پتہ بھی چلتا ہے، جیسے: ثعلب (لومڑی)، ثعلبہ (لومڑی)، ضب (گوہ)، ضبہ (گوہ)، ضبع (بجو)، کلب (کتا)، حمار (گدھا)، قرد (بندر)، خنزیر (سور)، جحش (گدھے اور گھوڑے کا بچہ)، غراب (کوا)، صرد (لٹورا، ایک پرندہ)، بکر (جوان اونٹ)، عنز (بکری)۔

اپنی اولاد کے بارے میں اس قدر حساس طبیعت رکھنے والے عرب لوگ غلاموں کے بارے میں یکسر مختلف ذوق کے حامل تھے۔ غلاموں کے بارے میں ان کا ذوق نزاکت، شیرینی اور لفظی ومعنوی حسن وجمال کا خواہش مند رہتا تھا۔

مذہبی تصورات، اوہام، کہانت اور شگون کو ان کی زندگی میں بڑا دخل تھا۔ عربوں کے یہاں ایسے نام بکثرت ملتے ہیں جن میں عبد کی اضافت کسی مشہور بت، سورج یا ستاروں کی طرف سے کی گئی ہے۔ مثلاً عبد العزیٰ، عبد اللات، عبد مناة، عبد المدان، عبد شمس، عبد الظہر یا عبد مناف۔

اسی طرح بہت سے نام کاہنوں اور نجومیوں سے پوچھ کر بھی رکھے جاتے تھے۔

قریش اور قحطانی چونکہ متمدن زندگی بسر کرتے تھے اس لیے ان کے ناموں میں ہمیں شہری زندگی کی جھلک ملتی ہے۔ مثلاً حبیب (پسندیدہ)، ربیعہ (عطر دان)، حکم (حاکم)، بشر (کشادہ رو)، مروان (چقماق)، مالک (مالک)، خیار (پسندیدہ)۔

عورتوں کے ناموں میں ان کا ذوق نزاکت اور لفظی ومعنوی حسن وجمال کی طرف مائل تھا، جیسے: آمنہ (امن والی)، زہرہ (گوری چٹی سرسبز وشاداب)، عاتکہ (شریف۔ خوب خوشبو لگانے والی)، خولہ (ہرنی)، ماویہ (آئینہ، محبت کرنے والی)، لیلیٰ (شراب)، ہند (محبت کرنے والی)، برة (نیک)، رخام (نازک اندام)

زمانہ جاہلیت میں مصغر نام رکھنے کا بھی رواج تھا۔ تصغیر سے صوتی حسن کے ساتھ ساتھ پیار و محبت دونوں کا اظہار ہو جاتا تھا، مثلاً زبیر، عبید، سلیم، عمیر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی محمد ﷺ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد ﷺ عربوں کے یہاں بہت نادر الوجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے آپ کا نام نامی محمد ﷺ تجویز فرمایا تو قریش کے بعض سرکردہ افراد نے اظہار تعجب کرتے ہوئے نام کی وجہ تسمیہ دریافت کرنا چاہی۔

''بعض ناقلان علم سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے بعد حضرت عبدالمطلب نے عمدہ قسم کے اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ ذبح کیے جانے کے بعد آپ نے قریش کے سرکردہ افراد کو دعوت دی۔ قریش کے معززین کھانے کے لیے جمع ہوئے اور کھانے سے فراغت کے بعد حضرت عبدالمطلب سے پوچھنے لگے ''تم نے اپنے اس بیٹے کا کیا نام رکھا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا ''محمد ﷺ'' یہ سن کر لوگوں نے کہا ''تمہارے آباؤ اجداد میں سے تو کسی کا یہ نام نہیں ہے'' تو عبدالمطلب نے جواب دیا کہ ''اس نام کے رکھنے میں میری آرزو یہ ہے کہ اس بچے کی آسمان و زمین دونوں جگہ تعریف کی جائے''۔

محمد مفعّل کے وزن پر ہے اور حمد سے مشتق ہے۔ مفعّل وزن کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں تکرار پائی جاتی ہے۔ یعنی مفعّل کے وزن کے ذریعے جس صفت کو کسی شخص کے لیے بیان کیا جائے، وہ صفت اس میں تکرار کے ساتھ بار بار پائی جائے گی۔ اس طرح محمد کے معنی یہ ہوئے کہ وہ شخص جس کی بار بار تعریف و توصیف کی جائے اور جو صفات حسنہ کا سرتاپا مجموعہ ہو۔ اسی طرح مکرم اور معظم کی صفت بھی اسی شخص کے لیے استعمال ہوگی جس کی بار بار تعظیم اور تکریم مقصود ہو۔

بہر حال عرب اس نام سے آشنا ضرور تھے اور زمانہ جاہلیت میں جن لوگوں کو یہود و نصاریٰ کے یہاں آمد و رفت تھی یا تجارت اور دیگر ضرورت سے شام وغیرہ آنا جانا رہتا تھا اور راہبوں وغیرہ سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، وہ اس بات سے بھی واقف تھے کہ ''محمد'' نامی ایک نبی سرزمین عرب میں جلد ہی مبعوث ہونے والا ہے بلکہ بعض افراد نے اپنے بچوں کے نام اس امید میں محمد رکھے کہ شاید وہ اس نام کی برکت سے ہی منصب نبوت سے سرفراز ہو جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس دور میں جب افراد کے نام ''محمد'' ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ محمد بن بلال بن احیحۃ بن الجلاح۔ بلاذری نے اس کے باپ کا نام عقبہ نقل کیا ہے۔

۲۔ محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم۔

۳۔ محمد بن مسلمہ الانصاری بن عمرو بن تمیم۔

۴۔ محمد بن حمران الجعفی الشاعر۔ یہ امری القیس کا ہمعصر تھا، امری القیس اسے شویعر یعنی چھوٹا شاعر کہا کرتا تھا۔

۵۔ محمد بن الحرماز بن مالک بن عمرو بن تمیم۔

۶۔ محمد بن برّ بن طریف بن عتوارہ بن عامر بن لیث بن بکر عبد مناۃ بن کنانہ۔

۷۔ محمد بن خولی۔ ان کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا۔

۸۔ ابو محمد مسعود بن اوس بن اصرم بن زید ثعلبہ۔ یہ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا۔

۹۔ محمد بن خزاعی بن حزابہ۔ ان کا تعلق قبیلہ بنو سلیم کی شاخ بنو ذکوان سے تھا۔

درج ذیل شعر میں محمد سے مراد یہی ہیں اور یہ شعر ان کے بھائی قیس بن خزاعی کا ہے۔

فذلکم ذو التاج منا محمد
رایتہ فی حومۃ الموت تخفق

۱۰۔ محمد الجشمی۔ ان کا تعلق قبیلہ سوادۃ سے تھا۔

۱۱۔ محمد الاسیدی۔

۱۲۔ محمد الفقیمی

موخر الذکر تینوں افراد کا نام نبوت کی امید میں رکھا گیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد تقاضائے محبت کے نتیجے میں مسلمانوں میں محمد نام رکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہت سے نومولود بچوں کے نام خود آپ نے علیٰ الخصوص محمد تجویز فرمائے۔ ان میں درج ذیل افراد خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

۱۔ محمد بن جعفر بن ابی طالب۔ آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی کے بیٹے۔

۲۔ محمد بن طلحہ بن عبید اللہ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کا نام خود تجویز فرمایا تھا، ان کی کنیت ابو سلیمان تھی۔

۳۔ محمد بن حاطب بن الحارث

۴۔ محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ سن دس ہجری میں ذوالحلیفہ میں پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام خود تجویز کیا اور کنیت ابوالقاسم رکھی۔ ایک روایت کے مطابق ان کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہے۔

۵۔ محمد بن ابی حذیفہ بن عتبہ۔

۶۔ محمد بن عمرو بن حزم بن زید لوذان الخزرجی۔ یہ نجران میں اس وقت پیدا ہوئے، جب ان کے والد وہاں عامل کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حضرت عمرو بن حزم نے بذریعہ خط صاحبزادے کی ولادت کی اطلاع حضور ﷺ کو بھیج دی اور اس میں مجوزہ نام محمد اور کنیت ابو سلیمان بھی تحریر کر دی۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا، بچے کا نام محمد مناسب ہے البتہ کنیت ابو سلیمان کے بجائے ابو عبدالملک رکھ دی جائے۔

٧۔ محمد بن الاشعث

مذکورہ محمد نامی حضرات میں سے محمد بن الاشعث، محمد بن طلحہ اور محمد بن حذیفہ کی کنیت بھی آنحضرت ﷺ کی کنیت پر ابوالقاسم ہی تھی۔

آنحضرت ﷺ کا قرآنی نام احمد بھی زمانہ جاہلیت میں معروف تھا، چنانچہ درج ذیل قبائل اور افراد وہ ہیں جن کے نام سے عرب کے مختلف قبائل کی نسلیں چلتی ہیں۔ اس نام سے معروف ہیں۔

۱۔ احمد بن ثمامہ بن جدعا، قبیلہ طئی کی ایک شاخ ہے۔

۲۔ احمد بن دومان بن بکیل، قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے۔

۳۔ احمد بن زید بن خداش، قبیلہ سکاک کی ایک شاخ ہے۔

۴۔ بنو احمد، قبیلہ طئی کی ایک شاخ ہے۔

دعوت اسلامی کے عام ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے نام تجویز کرنے کے ذیل میں متعدد ہدایات دیں اور اصول مقرر فرمائے۔ ان میں پہلی ہدایت اور تعلیم یہ تھی کہ مناسب اور اچھے نام رکھے جائیں کیونکہ قیامت میں نام ہی سے پکارا جائے گا۔ پھر یہ کہ بچے کا نام رکھنے میں تاخیر نہ کی جائے اور جلد از جلد نام رکھ دیا جائے۔ بعض بچوں کو پیدائش کے روز ہی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپ نے ان کے نام تجویز فرما دیئے۔ چنانچہ امام بخاری نے "باب تسمیہ" المولود غداة یولد لمن لم یعق عنہ کے تحت اس سلسلے میں بہت سے واقعات نقل کیے ہیں۔

بعض احادیث سے یہ مدت سات روز تک ممتد معلوم ہوتی ہے، چنانچہ امام ترمذی نے "باب فی تعجیل اسم المولود" کے تحت درج ذیل حدیث نقل کی ہے۔

"عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نومولود کے عقیقہ، صفائی اور نام رکھنے کا ساتویں دن حکم فرمایا ہے"۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں روز بھی نام رکھنے کی گنجائش موجود ہے پھر آنحضرت ﷺ نے ان ناموں کی نشاندہی بھی فرمائی جو نہ صرف آپ کو پسند تھے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی انتہائی محبوب ہیں، چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں حضرت ابن عمر سے درج ذیل حدیث منقول ہے۔

"حضرت ابن عمر نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ناموں میں اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں"۔

سب سے زیادہ سچے نام کون سے ہیں، ان کی نشاندہی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اصدقها حارث وهمام۔ سب سے زیادہ سچے نام اور حارث اور ہمام ہیں۔

عبداللہ اور عبدالرحمٰن کے علاوہ جن ناموں پر آپ نے پسندیدگی کا اظہار کیا، ان میں ابراہیم سر

فہرست ہے۔ آپ نے خود اپنے صاحبزادے کا نام ابراہیم تجویز فرمایا تھا۔ انبیاء کے اسمائے گرامی بھی آپ کو انتہائی محبوب تھے۔ اسی لیے آپ نے انبیاء کے ناموں پر بچوں کے نام رکھنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ ابوداؤد میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے۔

تسموا باسماء الانبیاء "انبیاء کے ناموں پر نام رکھا کرو"۔

ناموں کے بارے میں آپ انتہائی حساس تھے۔ ایسے نام جو مہمل ہوں یا ان میں جاہلیت کی عکاسی ہوتی ہو فخر و غرور یا خودستائشی کا پہلو نکلتا ہو انہیں آپ کسی مناسب نام سے بدل دیا کرتے تھے۔

چنانچہ ایک شخص کا نام حباب تھا۔ آپ نے بدل کر عبداللہ رکھ دیا اسی طرح حزن نام کو سہل سے تبدیل کر دیا۔

ایک خاتون کا نام برہ تھا، آپ نے اس بنا پر کہ اس میں خودستائشی کا پہلو پایا جاتا ہے، بدل کر زینب رکھ دیا۔ اسی طرح حضرت ابن عمر سے ایک روایت ہے کہ ایک بچی کا نام عاصیہ تھا آپ ﷺ نے اسے جمیلہ سے بدل دیا۔

اسی طرح عاص، عزیز، عتلہ، شیطان، حکم، غراب، غادی، ظالم، اصرم، دمرة جیسے نام بھی آپ نے تبدیل فرما دیئے۔

برے ناموں کے معاملے میں آپ اس قدر حساس تھے کہ اگر کسی جگہ کا نام بھی نامناسب ہوتا تو آپ اسے بھی تبدیل فرما دیتے، چنانچہ ایک جگہ کا نام ثنیۃ الضلالۃ تھا، آپ نے بدل کر ثنیۃ الہدیٰ کر دیا۔

سب سے زیادہ جس نام اور لقب کو آپ نے ناپسند فرمایا، وہ ملک الاملاک یعنی شہنشاہ ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

"روز قیامت اللہ کو سب سے زیادہ اس شخص کا نام ناپسند ہوگا جسے ملک الاملاک کہا جاتا ہے"

اسی طرح آپ نے کسی کا نام بگاڑ کر یا کسی کو برے لقب سے یاد کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ خود قرآن مجید اس سلسلے میں ممانعت موجود ہے۔ ارشاد ہے: ولا تنابزوا بالالقاب۔

البتہ پیار سے کسی نام کو مصغر یا مختصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ بسا اوقات حضرت ابوہریرہ کو "یا اباہر" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یا عائش کے لقب سے پکارتے تھے۔

مسلمانوں میں خواہ ان کا تعلق سرزمین عرب سے ہو یا دنیا کے کسی اور خطے سے عام طور پر عربی زبان میں نام رکھنے کا رواج ہے۔ ایران و ہندوستان کے بعض علاقوں میں ہمیں فارسی یا ہندی نام بھی ملتے ہیں لیکن بہت خال خال۔ اسلام نے نام کے سلسلے میں زبان کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔ یہ محض مسلمانوں کا قرآنی ذوق اور آنحضرت ﷺ سے محبت کا نتیجہ ہے کہ وہ دنیا کی خواہ کوئی زبان بولتے ہوں نام عربی میں رکھتے ہیں۔

مسلمانوں میں سب سے زیادہ مقبول نام ترکیب اضافی کے ساتھ ہیں۔ مقبول ترین مرکب نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں بھی عبداللہ نام معروف تھا۔ خود آنحضرت ﷺ کے والد ماجد کا نام عبداللہ تھا لیکن مسلمانوں میں اس نام کی مقبولیت کا اصل سبب حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ یہ نام اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے۔ کتب اسماء رجال اور اعلام کی کتابوں کا اگر جائزہ لیا جائے تو محمد اور احمد کے ساتھ ساتھ اگر کوئی نام ملتا ہے تو وہ عبداللہ اور عبدالرحمن ہے۔ آنحضرت ﷺ کے مذکورہ ارشاد کی پیروی کرتے ہوئے امت مسلمہ نے اللہ جل شانہ کی دیگر تمام صفات کو بھی عبد کے ساتھ ملا کر نام کی شکل دے دی اور ان ناموں کا یہ سلسلہ اس قدر مقبول و معروف ہے کہ اس کے لیے کسی مثال کی ضرورت نہیں۔

بسا اوقات عبد کی نسبت لفظ اللہ کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی دیگر صفات یا اہل بیت کے اسماء کی طرف بھی کر دی جاتی ہے۔ جیسے عبدالرسول، عبدالمصطفیٰ، عبدالنبی، عبدالحسن اور عبدالحسین وغیرہ۔ موخرالذکر اضافت کا سنی مسلمانوں میں بہت کم رواج ہے البتہ شیعہ حضرات کے یہاں اس قسم کے نام ضرور ملتے ہیں۔ سعودی عرب وغیرہ میں اس قسم کے ناموں میں تھوڑی سی ترمیم کر کے عبد کے بعد رب کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

عبدالمصطفیٰ کو عبد رب المصطفیٰ، عبدالنبی کو عبد رب النبی اور عبدالرسول کو عبد رب الرسول سے بدل دیا جاتا ہے۔ ہندو پاک میں ترکیب اضافی کی ایک اور شکل بھی رائج اور مقبول ہے۔ کسی صفت یا اسم کی لفظ دین، حق، رحمن یا کسی اور صفت کی طرف اضافت کر دی جاتی ہے۔ جیسے نجم الدین، بدرالدین، صدرالدین، شمس الدین، نعیم الدین، عطاءالحق، ثناءالحق، طلیع الحق، حبیب الرحمن، حفیظ الرحمن، علیم اللہ، حفیظ اللہ، ناصر اللہ، فضل اللہ، حبیب اللہ وغیرہ۔

اسی طرح عبد کا ترجمہ غلام کر کے سابقہ اسماء و صفات کے اضافے کے ساتھ نام رکھنے کا بھی خاصا رواج ہے، جیسے غلام نبی، غلام رسول، غلام اللہ، غلام یٰسین وغیرہ۔

ہندو پاک میں آنحضرت ﷺ سے اظہار عقیدت کے لیے بیشتر ناموں کے آغاز میں محمد کا اضافہ کر دیا جاتا ہے جیسے محمد احمد، محمد حامد۔ ترکیب اضافی والے ناموں میں بھی یہ اضافہ اکثر ملتا ہے، جیسے محمد عبدالحمید۔ ان مرکب ناموں سے بسا اوقات عرب شبہ میں پڑ جاتے ہیں اور چونکہ اب ان کے یہاں باپ کے نام سے قبل لفظ ابن کے اضافے کا رواج ختم ہو گیا ہے اس لیے اس قسم کے مرکب ناموں کو وہ ایک کے بجائے دو نام سمجھتے ہیں۔ مثلاً محمد عبدالمجید میں وہ اصل نام محمد سمجھیں گے اور عبدالمجید باپ کا نام قرار پائے گا۔

آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ انبیاء کے نام پر اپنے بچوں کے نام رکھے جائیں، مسلمانوں میں انبیاء کے نام پر بکثرت نام رکھے جاتے ہیں اور تقریباً تمام مشہور انبیاء کے نام اس سلسلے میں مقبول و متداول ہیں البتہ عام طور پر ان ناموں کے شروع میں محمد کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

خلفائے راشدین، جلیل القدر صحابہ، بزرگان دین، اعیان علماء، نامور جرنیل اور دیگر مقدس ہستیوں

کے نام بھی بکثرت رکھے جاتے ہیں اور اس سے مقصود ان نفوس قدسیہ سے انتساب اور ان خوبیوں کا حصول ہوتا ہے جو ان بزرگوں میں پائی جاتی تھیں۔

برصغیر ہندو پاک میں تاریخی نام رکھنے کا بھی خاصا رواج رہا ہے اور ایسے نام رکھے جاتے تھے جن میں کسی بچے کی تاریخ پیدائش بھی نکل آئے۔ اب تاریخی ناموں کا رواج خاصا متروک ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے نام طویل اور نامانوس ہونے کی وجہ سے زبان زد عام نہیں ہو پاتے تھے۔ بعض نام باوجود یکہ مفہوم اور معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں لیکن چونکہ ان ناموں کے ساتھ ایسی شخصیتیں منسوب ہو چکی ہیں جو امت مسلمہ میں اپنے گھناؤنے کردار اور ظلم و تشدد کی وجہ سے سخت ناپسندیدہ ہیں اس لیے ایسے ناموں سے برصغیر کے افراد عام طور پر احتراز کرتے ہیں۔ مثلاً حجاج یزید وغیرہ۔

البتہ یہ بات انتہائی باعث حیرت ہے کہ ہمارے یہاں پرویز نام رکھا جانے لگا ہے حالانکہ پرویز وہ شخص ہے جس نے حضور ﷺ کے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا۔

برصغیر میں خال خال اور بنگال میں خاص طور پر کنیت کو نام کی شکل میں رکھا جاتا ہے جیسے ابوالاعلیٰ، ابوالبشر، ابوالخیر، ابوالکلام وغیرہ۔

علاوہ ازیں برصغیر ہندو پاک میں پھولوں، جانوروں، دنوں اور مہینوں کے نام پر بھی بچوں کے نام ملتے ہیں۔ جیسے گلاب، یاسمین، سنبل، جمعہ، رمضان، شعبان، اسد، شیر، ضرغام، ضیغم

ہمارے یہاں ایک عجیب رواج قرآن مجید سے نام نکالنے کا ہے۔ قرآن مجید کے کسی صفحہ کو کھول کر صوتی یا ظاہری شکل کے اعتبار سے جو لفظ اچھا محسوس ہو وہ نام کے طور پر منتخب کر لیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو معنی پر غور کیا جاتا ہے اور نہ ہی منتخب لفظ کے بارے میں یہ تحقیق کی جاتی ہے کہ وہ واحد ہے، جمع ہے، مذکر ہے یا مونث، مثلاً مقیم، مقیم الرحمن، عارفین، مرسلین، متقین، مستقیم وغیرہ۔

بعض نام مشترکہ طور پر بلا تفریق مرد و زن دونوں صنفوں کے لیے یکساں طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ جیسے اقبال، قیصر، عشرت، سرور، حیاۃ، ابتسام۔

برصغیر کے شیعہ حضرات کے یہاں عام طور پر آئمہ اثنا عشری ان کے اقرباء کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اضافی ناموں میں عبد یا غلام کی علی اور حسن حسین کی طرف نسبت کی جاتی ہے اور غلو کا یہ عالم ہے کہ بعض عبد یا غلام کی جگہ کلب کا لفظ بھی ساتھ دیتے ہیں جیسے کلب علی، کلب عباس اور کلب باقر وغیرہ۔

ہمارے معاشرے میں آج کل تجدد کی جو لہر آئی ہوئی ہے اس کے اثرات نام پر بھی پڑتے ہیں۔ انوکھے، مہمل اور غیر معروف ناموں کی وبا چل نکلی ہے اور اس شوق کی فراوانی کا یہ عالم ہے کہ بہت سے ایسے نام نظر آنے لگے ہیں جو جدت اور ندرت کے اعتبار سے یا تو سرے سے مہمل ہوتے ہیں جیسے تہمینہ، انیلہ، روبینہ یا اچھا مفہوم نہیں رکھتے، جیسے ستیہ وغیرہ۔

حوالہ جات

۱۔ محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن فی اللغۃ والادب والتفسیر وعلوم القرآن ص ۴۴۳ طبع کراچی نور محمد کارخانہ کتب ۱۹۱۱ء

۲۔ محمد مرتضیٰ الزبیدی، تاج العروس من شرح القاموس، طبع مصر المطبعۃ الخیریہ ۱۳۰۶ھ۔

۳۔ شہاب الدین احمد بن محمد الخطیب المصری، المواہب اللدنیہ، جلد ۳ ص ۱۱۲ طبع مصر المطبعۃ الازہریہ ۱۳۲۷ھ۔

۴۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق ص ۲ طبع مصر مطبعۃ السنۃ المحمدیہ ۱۳۷۸ھ۔

۵۔ ایضاً ص ۸۔

۶۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی ۶۶۸ھ۔

۶ الف۔ ابوالفرج عبدالرحمن ابن الجوزی ۵۹۷ھ، الوفا باحوال المصطفیٰ، جلد ۱ ص ۳۶ طبع مصر دار الکتب الحدیثہ۔

۷۔ احمد بن علی بن حجر العسقلانی ۸۵۲ھ، الاصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۲ ص ۵۰۸ طبع مصر مطبعۃ السعادہ ۱۳۲۸ھ واحمد بن یحییٰ ۲۷۹ھ، انساب الاشراف، جلد اول ص ۳۸۔

۸۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق ص ۸۔

۹۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق ص ۹۔

واحمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، جلد اول ص ۵۳۸۔

۱۰۔ احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، جلد اول ص ۵۳۸۔

۱۱۔ ایضاً۔

۱۱ الف۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید ۳۲۱ھ، الاشتقاق ص ۹۔

۱۱ ب۔ ابن سعد، جلد اول ص ۱۱۱۔

۱۱ ج۔ ایضاً۔

۱۲۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن الازدی الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد ۲ ص ۳۹۳، الہند، المطبعۃ المصطفائیہ ۱۳۰۰ھ۔

۱۳۔ محمد بن حاطب، الاصابہ تذکرہ۔

۱۴۔ احمد بن یحییٰ، انساب الاشراف، جلد اول ص ۵۳۸۔

۱۵۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن الازدی الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد ۲ ص ۳۹۳۔

۱۶۔ ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف المالکی ۱۱۲۲ھ، شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ ص ۳۳۳۔

۱۷۔ ابوجعفر احمد بن محمد بن الازدی الطحاوی، شرح معانی الآثار، جلد ۲ ص ۳۹۳، الہند، المطبعۃ المصطفائیہ ۱۳۰۰ھ۔

۱۸۔ ابوبکر محمد بن الحسن بن درید، الاشتقاق ص ۱۰۔

۱۹۔ ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری ۲۵۶ھ، الصحیح جلد ۲ ص ۸۳۱ طبع نور محمد اصح المطابع ۱۹۳۸ء۔

۲۰۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، جلد ۲ ص ۲۰۱ طبع ہند دہلی، مطبع مجتبائی۔

۲۱۔ سلیمان بن اشعث الازدی ۲۷۵ھ، السنن جلد ۲ ص ۶۷۷۔

۲۲۔ ایضاً۔

۲۳۔ ایضاً ص ۶۷۶۔

۲۴۔ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی، المصنف، جلد ۱۱ ص ۳۰ طبع مجلس علمی ۱۳۹۲ھ۔

۲۵۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۱۳، ابوداؤد جلد ۲ ص ۶۷۷، والمصنف جلد ۱۱ ص ۳۱۔

۲۶۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۶۷۷۔

۲۷۔ سنن ترمذی، جلد ۲ ص ۱۰۷، وابوداؤد جلد ۲ ص ۶۷۷۔

۲۸۔ ابوداؤد جلد ۲ ص ۶۷۷۔

۲۹۔ عبدالرزاق، المصنف جلد ۱۱ ص ۳۳۔

۳۰۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۱۲ و ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۷۔

۳۱۔ سورۃ الحجرات آیت ۱۱۔

۳۲۔ بخاری جلد ۲ ص ۹۱۵۔

اپنے پروانوں کو پھر ذوق خود افروزی دے
برق دیرینہ کو فرمان جگر سوزی دے
مشکلیں امت مرحوم کی آساں کردے
مور بے مایہ کو ہم دوش سلیماں کردے
جنس نایاب محبت کو پھر ارزاں کردے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کردے

عربی زبان کا فلسفۂ لغت

مولوی ابوالجلال ندوی

(والد ماجد، پروفیسر ڈاکٹر جنید صغیر صدیقی، شعبہ شماریات، جامعہ کراچی)

عربی کے متعلق اکثر مسلمانوں کا خیال ہے کہ یہ آسمانی اور الہامی زبان ہے اور جنت میں سب عربی ہی بولیں گے۔ یہ خیال صحیح ہو یا غلط لیکن واقعہ یہ ہے کہ صرف عربی ہی ایک زبان ہے جو انسان کی فطری زبان کہی جا سکتی ہے۔ دنیا میں صد ہا زبانیں بولی جاتی ہیں ان زبانوں کو ہم مختلف گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک گروہ کی زبانوں کا اجمالی نام "انڈو یورپین" ہے ان زبانوں میں سب سے قدیم زبان سنسکرت ہے، دوسرے گروہ کی زبانوں کا نام "السنہ سامیہ" فرض کیا جاتا ہے۔ السنہ سامیہ میں سب سے قدیم تر زبان سریانی ہے مگر وہ سریانی نہیں جو آج سے چند ہزار سال پہلے بولی جاتی تھی، بلکہ وہ سریانی جسے نوح، یا سامی قبائل کے آبائے اولین بولتے تھے، متعارف سریانی سے زیادہ تقاضائے فطرت کے مطابق عربی زبان ہے۔

عربی، وہ عربی جس میں قرآن مجید اترا ہے قدیم عربی نہیں، قرآن تو "عربی مبین" میں اترا ہے عربی مبین قبیلۂ قریش کی زبان کا نام ہے یہ زبان قبائل مضر کی فصیح ترین زبانوں کے چیدہ الفاظ اور ترکیبوں کا مجموعہ ہے۔ چونکہ یہ زبان قبائل تمام عرب کی سمجھ میں بوضاحت آتی تھی اس کا نام "مبین" تھا۔ ہم جس عربی سے واقف ہیں وہ مضر کے سات قبائل کی زبانوں سے منقول ہے۔ یہ قبائل ہمیشہ خانہ بدوش اور غیر شہری رہے، شہریت کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ قوموں کی دماغی حالت روز بروز ترقی پذیر ہوتی رہتی ہے۔ معلومات، احساسات ضروریات اور افرائش میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ شہریت کے باعث الفاظ میں تراش خراش پیدا ہوتی ہے لیکن بداوت کا طبعی اقتضاء یہ ہے کہ اقوام کی دماغی حالت ساکن ہوتی ہے۔ ضروریات اور معلومات محدود ہوتی ہیں بہت زیادہ تراش خراش کی ضرورت نہیں پڑتی، نہ دوسری اقوام کی زبانوں کا اثر قبول کرنے کی حاجت ہوتی ہے اس بنا پر بدویوں کی زبانیں بہت کم تغیر پذیر ہوتی ہیں اور جلد جلد اپنی نوعیت نہیں بدلتی رہتیں۔ اس قاعدہ کے مطابق قبائل

مضر کی زبانیں اپنی اصل سے بہت زیادہ مشابہ ہوں گی۔

عربی مبین جن قبائل کی زبانوں سے ماخوذ ہے وہ باہم مشابہ تھیں صرف چند محاورات اور لہجوں یا صیغوں کا فرق ہوتا ہے۔ یہ قبائل اسماعیلی تھے ان کی زبانیں قدیم قحطانی عربی (جس کی ایک شاخ حمیری ہے) اور عبرانی کے الفاظ اور ترکیبوں کا مجموعہ تھی۔ اس زبان میں قدیم عربی کے الفاظ اور ترکیبوں کو ہمیشہ عبرانی سے آئی ہوئی ترکیبوں اور لفظوں پر غلبہ رہا۔ چونکہ جیسا کہ ہم آگے بتائیں گے قحطانی اور عبرانی زبانیں ایک ہی نسل کی بولیاں تھیں، یہ دونوں باہم بہت مشابہ تھیں۔ اس لیے اسماعیلی عربوں نے عربی میں جن الفاظ اور ترکیبوں کا اضافہ کیا، ان میں سے اکثر عربی الفاظ کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گئیں کہ اب قحطانی لفظ اور اسماعیلی لفظ میں تمیز کرنا دشوار ہے۔

"خالص قحطانی زبانوں میں سے" حمیری زبان کا حال معلوم ہے عرب کے علما لغت کی روایتیں ظاہر کرتی ہیں کہ حمیری زبان میں اعراب نہ تھا، فاعل، مفعول، ظرف وغیرہ کی حالتوں کو ظاہر کرنے کے لیے لفظوں کی تقدیم و تاخیر سے کام لیا جاتا تھا۔ مگر اسماعیلی زبانیں خاص کر اہل مضر کی زبانیں اعراب اور تقدیم و تاخیر دونوں حالتوں کی حامل تھیں۔ مضر نے فاعل، مفعول، ظرف، وغیرہ کی حالتوں کو ظاہر کرنے کے لیے اعراب کو خاص کر لیا۔ اور تقدیم و تاخیر کے قواعد کو تاکید، حصر اور یقین وغیرہ کیفیات کے اظہار کے لیے مخصوص کیا اس سے معلوم ہوا کہ قدیم عربی میں بھی اعراب نہ تھا۔ اعراب کا استعمال اہل عرب کو اسماعیلی نسل کے مستعرب عربوں نے سکھایا۔

قحطانی زبانیں بھی خالص عربی نہ تھیں۔ یہ زبانیں تو اعراب بائدہ کی قدیم عربی اور قحطانیوں کے ساتھ آئی ہوئی سریانی سے مرکب تھیں خالص عربی تو طسم، جدیس اور عمالقہ وغیرہ و تباہ شدہ قبائل کی عربی تھی، اعراب بائدہ کی قدیم زبان جس کو ہم تخلیقاً "جرہمی عربی" کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس سریانی سے بھی زیادہ خالص تھی۔ جسے قحطانی عرب اپنے ساتھ لائے تھے، واقعہ یہ ہے کہ عربی یعنی جرہمی عربی، اور سریانی دونوں زبانیں کسی ایک زبان کی شاخ ہیں جس کو قوم نوح بولتی تھی، قوم نوح کا وطن سرزمین اشور (اسیریا) کے قرب و جوار میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ وطن کی نسبت سے نوح علیہ السلام کی زبان کا نام بھی سریانی تھا۔ اس سریانی زبان کی دو شاخیں ہو گئیں۔ (۱) عربی (۲) سورب میں بسنے والوں کی زبان اس دوسری زبان کا نام بھی سریانی ہے، مگر عہد نوح کی سریانی، بعد کی سریانی سے بہت الگ تھی، ابتدائے عہد کی سریانی کے ساتھ جرہمی عربی کو بعد میں سریانی کی نسبت زیادہ مشابہت ہو گی، کیونکہ سریانی قبائل میں بہت جلد جلد تمدنی ترقیاں نمودار ہوئیں ان تمدنی ترقیوں کے باعث ان کی زبانیں روز بروز تقاضائے فطرت کی مطابقت کو چھوڑتی گئیں۔ عرب میں بھی کچھ نہ کچھ تمدن نمودار ہوا مگر عربی تمدن کا اثر صرف ساحلی علاقوں پر پڑا۔ اہل عرب کی اصلی زبان ہمیشہ بادیہ نشینوں کے حلقے کو قرار دیا گیا سریانی قبائل کو اپنی زبانوں کا یہ نقص معلوم تھا۔ اس لیے وہ اعراب بائدہ کی زبانوں کو اصلی سریانی کا مکمل چربہ ہونے کے باعث آسمانی زبان تسلیم کرتے تھے۔

بہر حال ہماری "عربی مبین" (۱) قدیم عربی (۲) عہد قحطانی کی سریانی (۳) عہد اسماعیل کے عبری الفاظ اور ترکیبوں سے مرکب ہے۔ چونکہ یہ تینوں زبانیں ایک اصل کی شاخیں اور ایک ماں کی بیٹیاں ہیں لہذا ان کے میل سے جو زبان پیدا ہوئی وہ پھر بھی قدیم سریانی سے مشابہ رہی۔

عربی الفاظ دو قسم کے ہیں (۱) عربی (۲) معرب۔ معرب الفاظ میں عبری الفاظ بھی داخل ہیں مگر عہد اسماعیل کی عبری اور عہد قحطانی کی سریانی زبانوں کے الفاظ، قدیم عربی کی شکل میں اس طرح رل مل گئے ہیں کہ ان کو معرب فرض کرنا غلطی ہے۔

عربی زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دیگر سامی زبانوں میں جو مادے مستعمل ہیں وہ سب عربی زبان میں موجود ہیں اور عربی زبان کے لفظ کی کوئی نہ کوئی شکل اپنی شکل اور صورت جیسے دیگر سامی لفظوں کی مرادف ہوتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ عبری، سریانی، اور آرامی وغیرہ زبانوں میں عربی کے تمام مادے مستعمل ہوں۔ مولانا عنایت رسول چریا کوٹی رحمۃ اللہ علیہ سامی نسل کی مختلف زبانوں کے ماہر تھے مندرجہ بالا الفاظ میں ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ انہیں کے خیالات ہیں۔

بہر حال "عربی مبین" باوجودیکہ نہ تو ام الالسنہ ہے نہ دنیا کی قدیم ترین زبان لیکن دنیا کی زبانوں میں سب سے زیادہ وہ فطرت کے مطابق ہے اولین السنہ کے متعلق ہم جن خصائص کو بدلائل فرض کر سکتے ہیں سب کے آثار عربی زبان میں موجود ہیں زبان کے اولین خصائص کے علاوہ عربی زبان میں جو دوسری خاصیتیں ہیں وہ فطری خصائص سے قریب تر ہیں عربی زبان کے الفاظ اپنے معانی پر محض فرض واصطلاح اور بخت واتفاق سے دلالت نہیں کرتے، بلکہ ہر لفظ اپنے معنے کو چند خاص نوامیس قدرت کے مطابق ظاہر کرتا ہے۔ الفاظ اور معانی میں ربط پیدا ہونے کی وجہیں عربی علم الاشتقاق کے اصول پر غائر نظر ڈالنے کے بعد استقراءً واضح ہو سکتی ہیں کہ ہم غیر زبانوں کے الفاظ کو بھی حقیقی طور پر سمجھ لینے کی قوت اور ملکہ پیدا کر سکتے ہیں۔

الفاظ اپنے اندر تین قسم کے معنی رکھتے ہیں (۱) نفسی کیفیات (۲) حسی امور (۳) ذہنی اور انتزاعی معلومات، تیسری قسم کے معانی پر دلالت کرنے والے الفاظ ہر زبان میں عموماً اور عربی میں خصوصاً ایسے الفاظ سے معدول ہیں جن کو کسی حسی شے، یا نفسی ادراک پر دلالت کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے قوائے ادراک اور اسباب تجربہ نے بتدریج ترقی پائی ہے اس لیے اس کے ذہنی معلومات، حسی معلومات سے موخر ہیں، انسان کی ضرورتیں سب سے پہلے حسی چیزوں سے وابستہ ہوئیں۔ اس لیے سب سے پہلے اس نے حسی چیزوں کے نام وضع کیے۔ انتزاعی، ادراکی، اور معلومات کی تحلیل اور ترکیب سے انسان کے ذہن نے جن نئے مفاہیم کو اخذ کیا وہ مختلف مناسبتوں کے ماتحت نفسی کیفیتوں اور حسی اشیاء پر دلالت کرنے والے الفاظ سے ادا کیے جانے لگے چنانچہ خیال، علم، عام (برس) اور ادراک وغیرہ الفاظ پر غور کرو، خیال کی اصل خیالہ (نگرانی) ہے، چونکہ شے کی نگرانی کے لیے شے کا خیال ضروری ہے اس لیے خیالہ سے خیال بنا، خود خیالہ بھی کوئی حسی مفہوم نہیں ہے، خیالہ کا اصلی ترجمہ

گھوڑوں کی رکھوالی ہے، جس طرح اہل سے ایالہ بنا اسی طرح خیل سے خیالہ بنا، خیال اگرچہ کسی چیز کا نام ہے مگر یہ بھی اصلی لفظ نہیں ہے، اشیاء کے نام عموماً وصفی نام ہوتے ہیں۔ جن میں سے وصفیت فنا ہو جاتی ہے، خیل کی اصل "خال" ہے۔ خال ایک خاص قسم کی چال کا نام ہے، یہی لفظ اصل ہے کیونکہ عربی علم الاشتقاق کی رو سے حرف حلقی اور حرف مکرر (ر، ل) کا وہ مجموعہ جس میں کوئی حرف شدید نہ ہو "حرکت" ظاہر کرتا ہے۔ علم کی ابتدا علم اور علامہ (نشان) کے ادراک سے ہوئی، دنیا کی قومیں عموماً اور اہل عرب خصوصاً ایک لفظ کو بول کر اس کے سبب یا نتیجہ کو مراد لیتے ہیں علم "علم" کے پیش نظر ہونے کا نتیجہ ہے، عوم (تیرنا) تبع (سیال ہونا) غمایا (گھٹاٹوپ ابر) وغیرہ الفاظ بتاتے ہیں کہ (ع حرف علت اور میم) کا مجموعہ پانی سے تعلق رکھتا ہے، عام کا اصلی مفہوم بارش رہا ہوگا جس طرح ماہ، ماس اور Month کا مفہوم دنیا نے ماہ Moon اور چاند سے اخذ کیا ہے اسی طرح برس، برش، برشا کال، برشکال، گرگ باران دیدہ وغیرہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ سال کا مفہوم بارش نے پیدا کیا اور ادراک (معلوم کرنا) اصل میں درک (پانا) تھا۔

بعض نفسی کیفیات بھی حسی امور پر دلالت کرنے والے لفظوں سے ادا کی جاتی ہیں۔ یقین، وثوق یا عدم تذبذب ایک نفسی کیفیت کا نام ہے۔ اسی مفہوم کو ادا کرنے والے الفاظ عموماً (قطع) کے مفہوم سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً القد فعل۔ فعلہ البتہ۔ اذ فعل (اذ۔ اذا، ظرف وشرط میں اور یقین ظاہر کرتے ہیں) فعلہ، قط، فعلہ قطعا، تحتم الامر) یعنی قد۔ البتہ۔ اذ۔ قط۔ قطعا۔ اور تحتم پر غور کرو اور اس کے بعد قد (چیرنا) بت (پھاڑنا) اذ (کاٹنا) قط (کاٹنا) قطع۔ حتم (توڑنا) وغیرہ الفاظ کے ساتھ ملاؤ تو حقیقت بے پردہ ہو جائے گی۔

تمام حسی معانی بھی اصلی اور غیر منقول الفاظ میں تحلی نہیں ہوتے حسی معانی کی پانچ قسمیں ہیں (۱) مسموع یعنی آوازیں (۲) مرئی جیسے لمبائی، چوڑائی، موٹائی، رنگ، حرکت، فصل، فاصلہ وغیرہ (۳) مشموم جیسے بدبو، خوشبو، سونگھنا، یا سونگھنے کی چیزیں (۴) ملموس۔ جیسے لمس۔ چکنا، ملنا وغیرہ معانی جن کا تعلق احساس سے ہو (۵) مذوق کے لیے زبان سے محسوس کی جانے والی چیزیں اور کیفیتیں۔

ان پانچوں قسم کے معلومات کے لیے اصلی اور حقیقی الفاظ ناممکن ہیں۔ کیونکہ اصلی الفاظ تو وہی ہو سکتے ہیں جو آوازوں کی نقل یا بعض نفسی تاثرات کا نام ہوں۔

پیدائش السنہ کی صورت میں اختلاف ہے اشاعرہ کہتے ہیں کہ لفظ ومعنی کا ربط انسان کو ابتداءً وحی و توقیف کے ذریعہ سے معلوم ہوا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ آوازیں پیدا کرنا تو انسان کو فطرتاً آیا اسی طرح ادراک معانی کے قوے ہم میں فطری طور پر موجود ہیں۔ معانی اور اصوات میں ربط انسان نے فرض، تسلیم اور وضع واصطلاح کے طور پر قائم کیا۔ عباد بن سلیمان اور اس کے مسلک میں شریک معتزلہ کے نزدیک معانی اور الفاظ میں ایک فطری مناسبت ہوتی ہے، یہی مناسبت لفظ ومعنی میں ربط قائم ہونے کی علت ہے ابن جنی کی رائے ہے کہ دنیا بھر کی زبانوں کے اصلی کلمات سنی ہوئی آوازوں سے منقول ہیں۔

معتزلہ کا خیال تو بالکل ناقابل تسلیم ہے کیونکہ وضع واصطلاح کے لیے ضروری ہے کہ پہلے سے تخاطب اور تفاہم کے لیے کوئی زبان ہو جس زمانہ میں کوئی زبان نہ تھی انسان نے تواضع کے لیے کس طرح ایک دوسرے کو مخاطب کیا؟ اشاعرہ کا مقدس عقیدہ بھی خلاف قیاس ہے کیونکہ زبان کو وحی والہام پر تقدم حاصل ہے جیسا کہ "ما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ" میں اشارہ ہے۔

دیلمی نے مسند فردوس میں روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری امت مجھے آب وگل کی حالت میں دکھائی گئی۔ اور آدم علیہ السلام کی طرح اس کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے الہام طبعی کے ذریعے انسان کو بولنا سکھایا یعنی ہمارے جبلی خصائص اور فطری قویٰ میں سے بعض ایسے ہیں جن کے ماتحت ہم کو فطرۃً بولنا آیا اور جن نوامیس فطرت کے ماتحت ہم اپنی زبانیں سیکھتے ہیں انہیں کے ماتحت دنیا کی پہلی آبادی نے بھی بولنا شروع کیا۔

ہماری زبانوں میں دو قسم کے الفاظ ہیں (۱) بعض الفاظ ہماری ان طبعی اور اضطراری آوازوں کی نقل معلوم ہوتے ہیں جو کسی اچانک نفسی احساس کے نتیجے کے طور پر خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ پھیپھڑے سے ایک سانس نکلتا ہے اور فضائے صدر سے لے کر لبوں تک ٹکراتا ہوا فضائے قریب میں مل جاتا ہے اس ٹکرانے سے بسیط یا مرکب کسی قسم کی آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ (۲) بعض الفاظ وہ ہیں جن میں مندرجہ بالا خصوصیت نہیں پائی جاتی ہے۔ الفاظ سنی ہوئی آوازوں سے منقول ہوتے ہیں ایک بچہ کی فطرت پر غور کرو اس کی آوازیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ (۱) اضطراری (۲) اختیاری۔ اختیاری آوازیں عموماً ماں باپ، بھائی بہن، اعزا و اقرباء سے سنے ہوئے الفاظ یا دنیا کی کسی شے سے سنی جانے والی آوازوں کی نقلیں ہوتی ہیں۔ بچوں میں نقل وحکایات کی خواہش بہت ہوتی ہے۔ وہ بے وجہ بھی بعض چیزوں کی آوازیں دہرانے لگتے ہیں اس بنا پر ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ۔

اولین السنہ کے ابتدائی الفاظ دو قسم کے تھے (۱) اصلی یعنی انسان کے منہ میں خود بخود پیدا ہو جانے والی آوازوں کی ارادی شکلیں (۲) نقلی یعنی سنی ہوئی آوازوں سے منقول الفاظ اس بنا پر لفظ کا اصلی مفہوم بعض نفسی تاثرات، سنی ہوئی آوازیں اور لفظ کے مشابہ اصوات کی پیدائش کے اسباب، نتائج لوازم اور متعلقات ہی ہو سکتے ہیں لفظ کے جو معانی مندرجہ بالا پانچ قسموں سے الگ ہوں وہ بھی حقیقتاً، واسطہ در واسطہ انہیں پانچ قسم کے معانی کا سبب، نتیجہ، لازم، ملزوم یا متعلقات اور اشباہ ہوتے ہیں، چونکہ ہر نفسی مفہوم پر لفظ حسی آوازوں کے اسباب و نتائج اور اشباہ و لوازم ہونے کا اطلاق ضروری نہیں اس لیے ہر حسی مفہوم پر دلالت کرنے والے الفاظ بھی اصلی نہیں، ان میں سے اکثر مستعار اور منقول ہیں۔

عربی زبان کے الفاظ اور ان کے معانی کا ربط تلاش کرنے کی غرض سے لغت پر غور کرو، تو چند دنوں کے غور وفکر کے بعد تم خود بتا سکو گے، الفاظ کے حسی مواد جو زبان کے دیگر الفاظ کی بنیاد، یا ابتدائی مدار قرار پا سکتے صرف چند ہیں۔

(۱) آوازیں (۲) شکست وانقطاع (۳) فاصلہ (۴) حرکت (۵) اقتباس (۶) ۔۔۔۔ ناک سے تعلق رکھنے والے مفاہیم (۷) بدبو اور امتداد (۸) زبان سے متعلق امور جیسے چکھنا، چاٹنا، مزہ وغیرہ (۹) خفت (۱۰) ثقل (۱۱) حسن وقبح یا پسندیدگی و ناپسندیدگی وغیرہ وہ امور جن کا تعلق اندرونی احساس سے ہو ان معانی کے علاوہ جس قدر مفاہیم ممکن ہیں وہ آہستہ آہستہ اور بتدریج انہیں مفاہیم سے اخذ کئے گئے۔ اس دعوی کے اثبات کے لیے مختصر دلیلیں کافی نہیں زبان کے مکمل اور پے در پے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح الفاظ کے معانی کی صرف (۱۱) بنیادیں فرض کی گئیں اسی طرح الفاظ کے صوتی اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے الفاظ کی بھی صرف ۱۱ قسمیں قرار دی جا سکتی ہیں۔

کیونکہ عربی زبان کے الفاظ کی ۵ قسمیں ہیں (۱) ایک حرفی (۲) دو حرفی (۳) سہ حرفی (۴) زائد از سہ حروف چوتھی قسم کے الفاظ دو قسم کے ہیں، بعض تو وہ ہیں جو سہ حرفی لفظوں میں چند حروف کے اضافہ یا کسی حرف کی تضعیف سے پیدا ہوئے، جیسے قاتل، مقتول وغیرہ، بعض وہ ہیں جو دو ثلاثی کے باہم ملکر ایک ہو جانے سے پیدا ہوئے ہیں اس قسم کے الفاظ کو منحوت کہتے ہیں رباعی اور خماسی الفاظ عموماً منحوت ہیں لغت عرب کے چو حرفی اور پنج حرفی الفاظ پر غور کرو تو ان میں سے ۸۰ فیصد کو بشرطیکہ غیر زبانوں سے منقول ہوں دو ثلاثیوں میں تحلیل کرنا آسان ہے جیسے دقدق (دق دق) صعنور (صعب وفر) قصطل (قصل وقطل) بعثر (بعث وثر) بہت زیادہ تمثیلوں سے مضمون طویل ہو جائیگا۔ اس لیے ہم انہیں چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہوئے بے تامل اس فیصلہ کو ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ تین حرف سے زیادہ والے الفاظ فرع ہیں، اصل نہیں۔

سہ حرفی لفظوں کو عربی زبان کی بنیادی اصلیں قرار دیا جاتا ہے مگر عربی زبان پر غور کرو تو اس کی صدہا مثالیں ملیں گی۔ مضاعف، اجوف، معتل اور دوسرے سہ حرفی الفاظ جو لام کلمہ کو حذف کر دینے کے بعد مضاعف کی آواز کے مشابہ ہوں ذرا ذرا سے فرقوں کے ساتھ تقریباً یکساں معنی ظاہر کرتے ہیں مثلاً غط (غوطہ دینا) غوط (ڈوبنا) غطی (ڈھانپ لینا۔ ڈوبانا) غطم (ڈوبانا) وغیرہ۔ یا مثلاً۔ مس (چھونا) مسح (چھونا) مث (ملنا) موث (پانی میں کسی چیز کو ملانا) قط۔ قطع۔ قطف۔ قطم سب کاٹنا ظاہر کرتی ہیں۔ قص۔ قصل۔ قصم۔ قصب۔ سب تقریباً ہم معنی ہیں۔ اس قسم کی بہترین مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ثلاثی الفاظ بھی اصل میں دو حرفی آوازوں سے پیدا ہوئے ہیں۔ یک حرفی الفاظ کے متعلق بھی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ دو حرفی لفظوں کا مخفف ہیں۔

انسان سب سے پہلے دو حرفی آوازیں پیدا کر سکتا ہے اور سب سے پہلے انسان کو چیزوں کی طلب ظاہر کرنی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی قدیم زبانوں میں طلب کے صیغے یعنی امر کے الفاظ دو حرفی ہوتے ہیں یہی دو حرفی امر دو دیگر ہم آواز لفظوں کی اصل تسلیم کیے جاتے ہیں۔ عربی میں اجوف کا امر ہمیشہ دو حرفی ہوتا ہے گو اہل صرف کے مذہب بموجب اس قسم کے امر سہ حرفی لفظ کا مخفف ہوتے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ تمام ہم آواز لفظوں کی اصل یہی دو حرفی امر ہیں۔ دو حرفی لفظوں کے ادا کرنے میں سادہ اور غیر ترقی یافتہ افراد انسان اور بچوں کی زبان

پر الفاظ کی شکل مختلف صورتوں میں کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔

بعض وقت دو حروف کی حرکتوں کو طویل کر دیتے ہیں۔ مقصور حرکتیں، اس وقت سے وجود میں آئیں جب سے انسان میں تراش خراش پیدا ہوئی چونکہ حرکت اصل میں اس روانی کا نام ہے جو حاصل صورت تلفظ کا ایک لازمی وصف ہے۔ اس لیے تقاضائے فطرت کے مطابق تو صرف ممدود حرکتیں ہیں، بہر حال پہلے حرف کی حرکت ممدود ہو کر اسی دو حرفی امر کو سہ حرفی اجوف اور دوسرے حرف کی حرکت کھینچکر، اس کو سہ حرفی ناقص بنا دیتی ہے۔ اگر دوسرے حرف کے مخرج پر احتباس نفس ذرا طویل ہو جائے تو وہی دو حرفی لفظ سہ حرفی مضاعف ہو جاتا ہے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو حرفی لفظ ادا کرنا چاہتے ہیں مگر انکی آواز غیر اختیاری طور پر کسی تیسرے حرف پر رک جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں ثلاثی کے لام کلمہ اور اجوف و ناقص کے صرف علت کو نظر انداز کرنے کے بعد الفاظ باہم ہم آواز نظر آئیں تو عموماً ان کے معانی میں کچھ خاص فرق معنوی کمی اور بیشی کے ساتھ معنوی اتحاد ہوتا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ الفاظ کی ابتدائی اصل دو حرفی آوازیں ہیں جو کسی چیز سے سنائی دینے والی آوازوں یا انسان کی بعض غیر اضطراری آوازوں کی پے بہ پے نقل سے معرض وجود میں آئی تھیں۔ ان آوازوں کو ہم چند قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ (۱) ہم مخرج حرفوں کا مجموعہ (۲) باہم متشابہ حروف سے بنا ہوا لفظ (۳) دو متباین جنس کے حروف سے بنا ہوا لفظ، چونکہ حروف کی پانچ قسمیں ہیں۔ حلقی، حنکی (تالو کے حروف)، ذلقی (ر۔ل۔ن) سنی (دندانی) شفوی (لب کے حروف) اس لیے تیسری قسم کے الفاظ کی دس قسمیں ہوئیں اس طور پر الفاظ کی ابتدائی اصلیں ۱۲ ہوئیں۔

خلاصہ یہ کہ ہماری زبانوں کی ابتدا صرف ۱۲ قسم کے معانی اور ۱۲ قسم کے الفاظ سے ہوئی ہے اور انہیں ۱۲ قسم کے الفاظ سے صدہا زبانیں پیدا ہوئیں۔

دنیا کی اولین زبان سے مختلف زبانیں تو آئین فطرت اور نوامیس الٰہیہ کے ماتحت پھوٹیں جس کی وجہ سے اب بھی ہماری زبانوں کے الفاظ اپنے معانی اور شکلوں کو تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

دنیا بھر کی زبانوں کے بسیط حروف کو اپنی دماغ میں حاضر کرو تو تم سب کو پانچ جنسوں میں تقسیم کر سکتے ہو۔ ان پانچ جنسوں میں سے ہر جنس کے تمام حروف اصلی نہیں اکثر حروف تو ایسے ہو گئے جنکو صرف لہجوں کے اختلاف نے ایک دوسرے سے الگ کر دیا ورنہ حقیقت انکی ایک ہے۔ اصلی حروف وہ ہیں جو دنیا بھر کی زبانوں میں ادا کئے جا سکتے ہوں اس قسم کے حروف صرف ۱۴ ہیں۔

ہمزہ۔ ب۔ م۔ ک۔ ج۔ ر۔ ل۔ ن۔ س۔ د۔ الف۔ دیا (ذ) ت (یا ث)

ان ۱۴ حرفوں کے علاوہ جتنے حروف ہیں وہ فروع ہیں اصل نہیں۔ ان ۱۴ حرفوں کو باہم ضرب دو ۱۹۶ الفاظ پیدا ہوں گے۔ دیلمی نے مسند فردوس میں عطیہ بن بشر سے مرفوع روایت کی ہے خدا نے حضرت آدم کو ہزار

آسمانی تعلیم دی تھی۔ یہ روایت مذہبی حیثیت سے غالباً واجب التسلیم نہیں مگر قرین قیاس حقیقت کو ظاہر کرتی ہے اس میں تو کسی محقق کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی اولین زبان کے الفاظ محدود تھے ہزار کی تعیین کے لیے کوئی عقلی دلیل نہیں لیکن اگر ابتدائی زمانہ میں واقعی طور پر انسان انہیں چودہ حرفوں کو ادا کر سکتا تھا تو اولین زبان کے الفاظ کی تعداد ہزار سے زیادہ بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے چودہ حرفوں سے صرف ۱۹۶ ثنائی بن سکتے ہیں۔ فرض کرو بالکل ابتدائی عہد میں، ناقص اجوف اور مضاعف ایک دوسرے سے ممتاز حالت میں پیدا ہو گئے تو ثنائی کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۷۸۴ فرض کیجا سکتی۔

باوجود اس کے کہ ایک طرف ہماری روایتیں ہم کو اس امر کے باور کرنے پر مجبور کرتی ہیں کہ آدم علیہ السلام کی زبان چند سے زیادہ الفاظ کا مجموعہ نہ تھی۔ پھر بھی بعض مفسروں نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کو ہر زبان میں اسماء کی تعلیم دی گئی ان کے بیٹے تمام زبانیں بولتے تھے جب وہ دور دراز ممالک میں متفرق ہو گئے تو ہر ایک نے ایک زبان کو خاص کر لیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں انسان کی زبان کوئی مستقل نوعیت نہ رکھتی تھی نہ تو الفاظ کے اوزان، صیغے اور شکلیں کوئی خاص آواز کی مالک ہی تھیں اور نہ الفاظ اور معانی کے ربط میں کوئی استقلال پیدا ہوا تھا۔

کبھی ایک لفظ کو ادا کر کے ایک شخص لفظ کی ہی آواز کے کسی سبب کو مراد لیتا ہوگا تو وہی شخص دوسرے وقت اسی لفظ سے دوسرے سبب کو مراد لیتا ہوگا ایک شخص لفظ سنکر اپنے دماغ میں آواز کی وجہ پیدائش کو حاضر کرتا۔ تو دوسرا ان حالات میں سے کسی ایک حالت کو مراد لیتا جو آواز کے سنائی دینے کی حالت میں محسوس ہوتی تھیں، ایک مدت تک لفظ اور معنی کا ربط غیر مستقل نوعیت رکھتا ہوگا۔ آہستہ آہستہ جب قومیں پھیلنے لگیں تو ان کے الفاظ اور معانی میں ربط محسوس ہونے لگا۔

اسی طرح الفاظ کی آوازیں بھی ابتدائی عہد میں کچھ مستقل نہ ہوں گی، ایک ہی شخص کبھی حرف کو حرکت دیتا ہوگا تو کبھی ساکن کرتا ہوگا۔ کبھی حرف کو بسرعت ادا کرتا ہوگا تو کبھی کسی حرف پر انکی آواز محبس ہو جاتی ہوگی کبھی لفظ کے کسی حرف کو گرا دیتا ہوگا تو کبھی کسی حرف کا اضافہ کر دیتا ہوگا۔ کبھی ایک حرف کو ایک لہجہ سے ادا کیا ہوگا تو کبھی دوسرے لہجہ سے، کبھی بعض حرفوں کو متشابہ حرفوں کے ساتھ بدل دیتا ہوگا آج ایک حرف کو مقدم استعمال کیا ہے تو کل مؤخر، غرض ابتدائی عہد میں انسان کو اپنی زبان پر کافی قابو نہ ہوگا اس کی زبان اکثر لٹ پٹاتی ہوگی اور غیر شاعرانہ طور پر ایک ہی لفظ کو انسان صدہا لہجوں میں ادا کرتا ہوگا۔ اور کبھی اس کے الفاظ مستقل طور پر کسی خاص مفہوم کو ظاہر کرتے ہوں گے لیکن جب دنیا میں بنی نوع مختلف قوموں کی شکل میں پھیل گئے تو آہستہ آہستہ ہر قوم نے مستقل لہجے، مستقل صیغے اور مستقل شکلوں کے الفاظ استعمال کرنے شروع کیا اور آہستہ آہستہ لفظ اور معنی میں مستقل ربط پیدا ہوتا گیا دنیا کی موجودہ زبانوں کی اصلیں وہی مستقل زبانیں ہیں جو بالکل ابتدائی عہد میں آدم کی غیر مستقل زبان سے پیدا ہوئیں۔

ابتداء میں دنیا کی تمام زبانیں باہم مشابہ ہوں گی۔ ان میں فرق یہ ہوگا کہ ایک قوم میں کسی معنی کے لیے ایک لفظ استعمال کیا جاتا ہوگا تو دوسری قوم میں اس لفظ کا اُلٹا: ایک زبان کا لفظ جن حروف کے ساتھ ادا کیا جاتا تھا دوسری زبان میں وہی لفظ اس کے مشابہ دوسرے حروف کا مجموعہ ہوتا ہوگا ایک زبان میں لفظ اپنی جنسی آواز کی کسی علت اور سبب یا نتیجہ کو ظاہر کرتا تو دوسری زبان میں دوسری علت دوسرے سبب یا کسی دوسرے امر لازم کو ظاہر کرتا ہوگا۔ کوئی لفظ جو ایک قوم کی زبان پر چڑھکر اثباتی مفہوم دیتا ہوگا تو دوسری قوم کی زبان پر چڑھکر سلبی مفہوم یا پہلے مفہوم کی ضد پر دلالت کرتا ہوگا: مثلاً غور کرو، ہندوستان میں دیوتا کا وجود نہایت مقدس ہے، ایران میں "دیو" نہایت خطرناک چیز ہے عرب 'داب' کو ہم بولتے ہیں تو فارس والے 'میغ'، ہندوستانی زبان میں میگھا اور بارش کا دیوتا ہے۔ عربی کا اباب فارسی میں آب ہے۔ ہندوستانی زبان میں آپ، چنانچہ پاترم آبخورہ کو کہتے ہیں انگریزی میں بھی اباب (Ebb) بن کر پانی ایک خاص کیفیت (جزر) کو ظاہر کرتا ہے۔ عربی الفاظ، غار، غور، غرس وغیرہ کے معانی کے ساتھ، فارسی گور، ہندی، گوڑنا، گاڑنا، گاڑا، اسی طرح اخدود، خد، کھود، کھدنا، کندن قطع کا نشان۔ Cut۔ نی۔ نہ۔ No.Nay۔ نا۔ نہیں۔ نہ وغیرہ الفاظ صاف طور پر مندرجہ بالا حقیقت کا اظہار کرتے ہیں۔

گو اس قسم کی مثالیں بہت کم ملیں گی لیکن عربی زبان کے علم الاشتقاق پر غائر نظر ڈالنے والے کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مندرجہ ذیل حقائق کو تسلیم کرے۔

(۱) مضاعف، اجوف، ناقص۔ اور صحیح (مثال بھی ایک قسم کا صحیح ہے) دو حرفی امر سے بنے ہیں (۲) تقریباً ہم صوت الفاظ کسی زمانہ میں باہم مرادف تھے۔ مگر جس قدر تدریج کے ساتھ انسانی معلومات میں اضافہ ہوتا رہا ہر لفظ نیا (مگر اصلی مفہوم سے قریب تر) معنی اختیار کرتا رہا تا آنکہ اب دنیا میں کوئی دو لفظ ایسے نہیں جو ایک زبان میں مرادف ہوں عربی زبان میں اب بھی متشابہ الصوت الفاظ کثرت کے ساتھ باہم مشابہ ہوتے ہیں۔ متشابہ الاصوات الفاظ کے باب التشابہ مفہوم مشترک کو لفظ کے ساتھ خاص مناسبت ہوتی ہے۔ مثلاً قل (مار ڈالنا)، قتل (درخت کاٹنا) قضم (دانت سے کھانا) القدر یا اندازہ کرنا، جدا جدا کرنا وغیرہ الفاظ کا مفہوم مشترک ایک جز کا نوٹ کر دو ہو یا دو چیزوں کے درمیان فصل پیدا ہونا ہوتا ہے۔ شکست کی حالت میں چیزوں سے جو آواز پیدا ہوتی ہے اس لفظ کی اصلی شکل سے کس قدر مشابہت ہے (۳) حروف کی ترتیب بدلنے پر بھی الفاظ کے معانی تقریباً یکساں رہتے ہیں مثلاً ولک (ملنا) الدک (چکنا) تلکید (تلے اوپر جمع کرنا) تلکلد، چپکنا، کل (مٹی سانا) یہ الفاظ درحقیقت ایک مفہوم یعنی دو جسم کا ایک دوسرے سے التصاق ظاہر کرتے ہیں۔

عربی زبان اور دوسری زبانوں میں ایک فرق یہ ہے کہ اس زبان کے الفاظ اپنے معانی کو جن وجوہ اور اسباب کے ماتحت ظاہر کرتے ہیں وہ متشابہ الاصوات الفاظ کے مطالعہ سے بتشریح معلوم ہو سکتے ہیں۔ فارسی کا گند (زدن) عربی۔ عربی خلد سے ملا کر دیکھو تو اس کی وجہ دلالت سمجھ میں آ سکتی ہے مگر محض فارسی زبان کا مطالعہ ہم کو اس کی علت نہیں بتا سکتا۔ ماتر۔ مادر Brother، امام، بھائی، پدر، روسی Father بٹر، یہ الفاظ انڈو یورپین زبانوں

کے ہیں تاہم متشابہ اور سب کا مفہوم ایک ہے۔ (تر ورنر) انڈو یورپین زبانوں میں قرابتوں کے نام کا عام لاحقہ ہیں اگر کو نکال دو تو صرف ما، اور پا، رہ جاتا ہے یہ الفاظ عربی لفظ ام اور اب کا الٹا نظر آتے ہیں: اب الفاظ کی وجہ دلالت معلوم ہوگی اس لیے کہ عربی زبان کے مطالعہ سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ چونکہ حلقی اور شفوی آوازوں پر انسان کو سب سے پہلے قدرت حاصل ہوتی ہے اس لیے ہماری فطری زبان کے قدیم ترین الفاظ وہی ہیں جو حلقی اور شفوی حروف سے مرکب ہوں چونکہ پہلا نفسی ادراک جس کے اظہار کی خواہش انسان کو ابتداء ہی میں ہوتی ہے۔ محبت ہے اور چونکہ پہلا احساس جو بچوں کو ہو سکتا ہے ہوا اور پانی کی حرکت ہے اور سب سے پہلے جس چیز کے ساتھ بچوں کی خواہش وابستہ ہو سکتی ہے پانی اور دودھ ہے اس لیے حلقی شفوی الفاظ کا خاصہ ہے کہ پانی۔ دودھ۔ ہوا۔ اور ان چیزوں کے لوازم یا محبت اور لوازم محبت پر دلالت کریں چنانچہ جو الفاظ میم، با، باء اور کسی حرف حلقی سے مل کر مضاعف، اجوف یا ناقص کی صورت میں ہوں ان کے اصلی مفاہیم تین ہیں۔ پانی۔ ہوا۔ ماماتا۔ چنانچہ، ہوا۔ بہار۔ ہب۔ ہباب وغیرہ الفاظ ہوا سے تعلق رکھتے ہیں اباب (پانی) احباب، ابلہ، ہیام (پیاس) عوم (تیرنا) سبح (بہتے رہنا) ماء،

(پانی) وغیرہ الفاظ پانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ خب۔ حُم، ہم (بچا) ام (ماں) امہ (اصلی مفہوم کھلائی) حوبہ (ماماتا، قرابت) حم" (رشتہ دار کثرت استعمال نے عورتوں کے سسرالی رشتہ دار کے لیے خاص کر دیا) اب باب وغیرہ الفاظ کی وجہ دلالت حوبہ یعنی ماماتا اور محبت کا اظہار ہے۔

دنیا بھر کی زبانوں میں عربی ہی ایک زبان ہے جو اب تک تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔ عربی زبان کے الفاظ کا غائر مطالعہ کیا جائے تو انسان کی ادبی اور دماغی ترقیوں کا تدریجی رفتار کا بالکل صحیح نقشہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری